انتظار حسین کے افسانوں میں سیاسی جبر کا تمثیلی و علامتی اظہار

حافظ حبیب الرحمٰن

Abstract:

This article is a brief overview of Intezar Hussain's art of fiction writing. Intezar Hussain was born in 1923. He started his literary career with poetry. He also tried his hand at journalism and translation writing. However, his style of fiction writing was not as traditional as that of other fiction writers. He created fiction by deviating from the traditions; he adopted a unique style of expression by combining tradition and modernity and enriched Urdu fiction writing with new experiences. Pastime and the retrieval of the past is his favourite subject. He connects the past with the present and the future and presents the present with history, religion, myths and beliefs and myths, myths and divas and brings forth a new philosophical mood and mythological and mythological dimension. Human negation of migration accidents Intezar Hussain has adopted a symbolic tendency instead of a mythical colour in Urdu fiction writing. Hardly anyone else could write like Intezar Hussain in symbolic fiction.

انتظار حسین 21 دسمبر 1923ء کو بھارت کے بلند شہر ضلع کے ایک گاؤں ڈبائی میں پیدا ہوئے۔ انتظار حسین ایک افسانہ نگار، ناول نگار، نقاد اور بلند پایہ کالم نگار تھے۔ انتظار حسین نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ ان کی ابتدائی تعلیم کا آغاز ان کے والد (منتظر علی) کے سخت مذہبی رجحان اور زمانے کے تقاضوں کے درمیان تنازعہ کا باعث بن گیا۔ ان کے والد چاہتے تھے کہ وہ روایتی مذہبی تعلیم حاصل کریں اور وہ اسکول جانے کے سخت مخالف تھے۔ اس کی بڑی بہن نے اصرار کیا کہ اسے اسکول میں داخل کرایا جائے اور باقاعدہ تعلیم شروع کی جائے۔ انتظار حسین نے 1942ء میں آرٹس کے مضامین کے ساتھ انٹر میڈیٹ اور 1944ء میں بی اے کیا۔ اس کے بعد انتظار حسین نے اردو ادب میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی اور تقسیم ہند کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر کے لاہور میں سکونت اختیار کی۔ اس وقت ان کا تخلیقی سفر شروع ہوا۔

انتظار حسین افسانے لکھنے کے ساتھ ساتھ ترجمہ نگاری بھی کرتے رہے۔ اس طرح روسی افسانوں سے ان کی واقفیت بڑھی اور وہ چیخوف اور ترگنیف سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے امریکی ادب کا ترجمہ بھی کیا جس میں جدید امریکی کہانیوں کی ایک کتاب بھی شامل ہے جس کا عنوان ہے "Now and Other Stories" انتظار حسین صحافت سے بھی وابستہ رہے اور چند اہم رسائل و اخبارات جیسے روز نامہ مشرق، لاہور اور ہفت روزہ نظام لاہور وغیرہ کی ادارت کرتے رہے۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں مختلف اعزازات سے نوازا گیا۔ جس میں "پرائیڈ آف پرفارمنس" بھی شامل ہے۔ ہندوستان میں انہیں ''یاترا ایوارڈ'' بھی دیا گیا۔ ستمبر میں فرانسیسی حکومت نے انہیں "آفیسر آف دی آرٹس اینڈ لیٹرز" ایوارڈ دیا۔ ان کی ادبی تخلیقات اردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہیں گی کیونکہ ان کی تحریریں ماضی کی بازیافت کی یاد دلاتی ہیں۔ انتظار حسین نے ناول بھی لکھے اور انگریزی اور روسی ادب کا ترجمہ بھی کیا۔ انہوں نے ڈرامے اور رپورتاژ لکھیں۔ ادبی اور تنقیدی مضامین بھی ملتے ہیں۔

افسانوی مجموعے: گلی کوچے 1952، کنکری 1955، آخری آدمی 1967، شہر افسوس 1972، کچھوے 1981، خیمے سے دور 1982، خالی پنجرہ 199

ناول: چاند گہن 1953، دن اور داستان 1959، بستی 1980، تذکرہ 1987، آگے سمندر ہے 1995

ڈرامے: خوابوں کا سفر 1968، نفرت کے پردے میں 1970، پانی کے قیدی 1973

رپورتاژ: دہلی جو ایک شہر تھا، چراغوں کا دھواں

ترجمے: 1. نئی دہلی 1952، سرخ تمغہ 1960، سارہ کی بہادری 1967، ہماری بستی 1967، فلسفہ کی نئی تشکیل 1961، باوزبے تنگ ۱۹۶۶ء

سفر نامہ: زمین اور فلک 1987،

متفرقات: ذرے 1972، علامتوں کا زوال 1983، جمل اعظم 1995، جستجو کیا ہے (سوانح) 1912

انتظار حسین نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے کیا۔ ن۔ میم راشد کی "ماورا" کا گہرا اثر قبول کیا اور اس انداز میں آزاد نظمیں لکھنا شروع کیں۔ لیکن وہ جلد ہی شاعری سے افسانے کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے پہلا افسانہ "قیوم کی دکان" کے نام سے لکھا جو دسمبر میں "ادب لطیف" لاہور میں شائع ہوا۔ ابتدائی دنوں کا ایک اور افسانہ "ماسٹر" ہے۔ یہ دونوں افسانے ان کے افسانوی مجموعے "گلی کوچے" میں شامل ہیں۔ انتظار حسین کا تخلیقی سفر تقسیم ہند کے فوراً بعد شروع ہوتا ہے۔ انتظار حسین کا افسانہ نگاری کا انداز دوسرے افسانہ نگاروں کی طرح روایتی نہیں تھا۔ ان کی تحریروں میں استعارے استعمال کرنے کا ہنر، فصاحت و بلاغت اور زندگی کی حقیقتوں کی کشادگی اور بے باک پن نے قارئین کو مسحور کر دیا۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر کالم لکھ کر بھی اپنی پہچان بنائی۔ انتظار حسین کا کالم "لاہور نامہ" آج بھی کالم نگاروں کے لیے مشعل راہ ہے۔ انتظار حسین نے اردو کے علاوہ انگریزی میں بھی کالم لکھے۔ انتظار حسین جیسا شخص اردو ادب اور صحافت میں شاید ہی ملے۔ انتظار حسین اردو افسانے کا ایک بہت معتبر نام ہے اور ساتھ ہی ان کا اسلوب اور بدلتا لہجہ صف اول کے افسانہ نگاروں کے لیے ایک بڑا چیلنج تھے۔ اس کی اہمیت یہ بھی ہے کہ وہ داستانی ماحول کو اپنی کردار نگاری اور اسلوب کو اپنے جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالنا چاہتے تھے۔ ان کی تحریریں پڑھ کر حیرت کی ایک لہر آتی ہے جس سے ان کے سنجیدہ پڑھنے والوں کے پاؤں اکڑ جاتے ہیں۔ ان کی خود ساختہ صورتحال حقیقت سے بہت دور ہے۔

اردو افسانہ نگاری میں انتظار حسین اپنے فن، تکنیک اور موضوع کے حوالے سے پاکستان اور ہندوستان میں یکساں مقبول ہیں۔ معنویت سے بھرپور فن اور تصوف، فلسفہ اور طنز سے مرکب بہترین افسانے تخلیق کیے۔ اگرچہ انھوں نے مغربی افسانہ نگاروں سے بھی خوب استفادہ کیا اور مغربی تکنیک کا اردو افسانے میں مشرقی رنگ میں استعمال کیا جو کہ "کایا کلپ" کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ جدید دور تک انتظار حسین کا افسانوی ادب فن کے معیار پر پہنچ چکا تھا۔ انتظار حسین نے افسانہ نگاری کو نئے تجربات سے مالا مال کیا ہے یہ اگرچہ روایت سے انحراف تھا تاہم روایت اور جدیدیت کو ملا کر ایک انوکھا طرز اظہار تھا۔ انتظار حسین کو اپنے تمثیلی اور بیانیہ اسلوب کی وجہ سے اردو افسانے میں ایک نئے اسلوب کا موجد کہا جا سکتا ہے۔ ان کا تمثیلی اسلوب، بیانیہ اسلوب، استعاراتی اسلوب اور تاریخی شعور کی آگ میں جلتا ہوا جدید کرب انھیں اردو کے دوسرے افسانہ نگاروں سے ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

ماضی کی از سر نو بازیافت انتظار حسین کا پسندیدہ اور اہم موضوع ہے۔ وہ ماضی کی خوشگوار اور ناخوشگوار یادوں کو سینہ سے لگا کے رکھتے ہیں۔ ماضی کو عزیز رکھنے کے ساتھ ساتھ ماضی کی بازیافت بھی کرتے ہیں اور اس کا رشتہ حال اور مستقبل سے بھی جوڑتے ہیں۔ ان کے ہاں ماضی کا لفظ وسیع اور جامع معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس حوالے سے گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> "وہ بار بار اصرار کرتے ہیں کہ زمانے دو نہیں یعنی حاضر اور مستقبل بلکہ تین ہیں۔ یہ تین زمانے جدا جدا حقیقتیں ہیں بلکہ آپس میں اس طرح گتھے ہوئے ہیں کہ ان کی حد بندی نہیں کی جا سکتی۔ آدمی ظاہر میں سانس لیتا ہے مگر اس کی جڑیں ماضی میں پھیلی ہوئی ہیں۔ انتظار حسین کے فکشن سے مراد تاریخ، مذہب، نسلی اثرات، دیومالا، حکایتیں، داستانیں اور عقائد و توہمات سب کچھ ہے۔ ماضی کی بازیافت اور

جڑوں کی تلاش کا سوال انتظار حسین کے فکشن کا مرکزی سوال ہے۔"(1)

مہدی جعفری بھی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"انتظار حسین ماضی کے خوابناک سفر سے عہد حاضر کی راہ نکالتے ہیں اور اسے مستقبل کی سطح پر بھی دیکھتے ہیں۔"(2)

سفر ہجرت کا لازمی جزو ہے۔ سفر ہجرت کے دوران انسانوں کے ساتھ پیش آنے والے تمام حوادثات کو بھی انتظار حسین نے موضوع بنایا ہے۔ خارجی سفر کے ساتھ ساتھ یادوں اور خوابوں کے داخلی سفر کو بھی موضوع بنایا ہے۔ اس حوالے سے "ہمسفر"، "پرچھائیاں"، "ہڈیوں کا ڈھانچہ"، اور "کشتی" اہم افسانے ہیں۔ افسانہ "ٹانگیں" میں تانگے کا سفر ہے۔ "کٹا ہوا ڈبہ" میں ریل کا سفر ہے۔ "آخری آدمی" اور "شہر افسوس" میں انسان کے داخلی سفر کا بیان ہے۔ ہجرت کے تجربے اور ثقافتی جڑوں کی تلاش نے انہیں ایک ایسے تخلیقی سفر پر گامزن کیا جس کی منزل وہ شعور ہے جو پوری کائنات کو انسان کا گھر بناتا ہے۔ جہاں رامائن اور مہابھارت، جنگ، بدھ مت کے افسانے، صوفیانہ تصوف، پیغمبروں اور رسولوں کے واقعات، افسانوی اور الوہیت کے تصورات، عہد ناموں، نوادرات اور حال کے بہت سے مراحل سب اس کے اپنے بن جاتے ہیں۔ انھوں نے ماضی کی داستانوی اور تخیلاتی روایات کو دریافت کیا اور ضائع ہونے سے بچا لیا۔ انتظار حسین کی اس تخلیقیت کو مدنظر رکھتے ہوئے گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

"انتظار حسین اس عہد کے اہم ترین افسانہ نگاروں میں سے ہیں۔ اپنے پر تاثیر تمثیلی اسلوب کے ذریعہ سے انھوں نے اردو افسانے کو نئے فنی اور معنوی امکانات سے روشن کرایا۔ اور اردو افسانے کا رشتہ بیک وقت داستان، حکایت، مذہبی روایات، قدیم اساطیر اور دیومالا سے ملا دیا ہے۔ داستانوں کی فضا کو انھوں نے نئے احساس اور نئی آگاہی کے ساتھ کچھ اس طرح برتا ہے کہ افسانے میں ایک نیا فلسفیانہ مزاج اور ایک نئی اساطیری اور داستانی جہت سامنے آگئی ہے۔"(3)

"شہر افسوس" میں انسانی نفسیات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس مجموعے کے افسانوں میں ایک طرف تو انتظار حسین برائی کے زیر اثر پرورش پانے والے انسان کی نفسیات کی عکاسی کی ہے تو دوسری طرف ہجرت اور جلاوطنی کے کرب کی روداد بیان کی ہے۔ تقسیم ہند اور تقسیم پاکستان کے اندوہناک سانحوں نے انتظار حسین کے فن میں پختگی، گہرائی اور مزید کرب پیدا کیا ہے۔ انھوں نے ایک ماہر مصور کی طرح اپنے عہد کی عکاسی کی۔ اس حوالے سے ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

"یہ کوئی راز نہیں کہ ترقی پسند افسانہ نگار سے انتظار حسین ترقی پسندوں سے جڑے ہوئے ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ انتظار حسین ماضی کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر نہیں رہ جاتا وہ ہمارے عظیم افسانہ نگاروں میں سے ہے جو اپنے عہد کی گواہی دے رہے ہیں۔"(4)

انتظار حسین جب کوئی کہانی سناتے ہیں تو استعاروں، علامتوں، اشارے اور کہانیوں کے ذریعے ان خیالات کی ترسیل میں سہولت بھی فراہم کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے ناولوں اور افسانوں کا بیانیہ انداز مغربی کرداروں کے مقابلے ہمارے اجتماعی شعور اور مزاج کے لیے زیادہ سازگار ہے۔ وہ کہانیوں کے ماحول کو نئے احساس اور نئی آگہی سے بھر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان انتظار حسین کی افسانہ نگاری کے بارے میں لکھتی ہیں:

"انتظار حسین جدید مختصر افسانے کی ایک اہم شخصیت ہیں۔ افسانہ نگاری کے اس طویل عرصے میں ان کا فن کئی تجربات سے گزرا۔ کبھی یہ تصوف تھا، کبھی فلسفیانہ تھا، کبھی شاعری کے قریب تھا، کبھی اقبال کے خیالات کا عکس تھا، کبھی یہ روسی ادیبوں کی حقیقت پسندی تھی، خاص طور پر ترگنیف اور تسطائی کی، جس نے ان کے فن کو متاثر کیا، کبھی چیخوف کے افسانوں کی تفصیلات ان کے افسانوں میں پیوست دکھائی دیتی تھیں۔ ایک زمانے کے افسانوں کے دوبارہ جنم لینے کے معاملے نے انتظار حسین کو سوچنے کی دعوت دی، اپنے ناول "میٹامورفسس" کے انداز میں انہوں نے "کایا کلپ" تخلیق کیا۔ اگرچہ ان کے تخیلات اور تخلیقات کے مختلف اثرات تھے لیکن ان کی

عظمت یہ ہے کہ انھوں نے تکنیک مغرب سے لی اور اس تکنیک میں جو کچھ پیش کیا وہ خالص مشرقی ہے۔ جیسے قدیم اسلامی تاریخ کے حوالے، دیومالائی دور کی کہانیاں، کہانیاں، قصے، لوک کہانیاں یہ سب ان کے افسانوں میں علامت کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ گویا انھوں نے ماضی اور حال کو اس آئینے میں دیکھنے کے لیے مغربی تراکیب کا سہارا لیا ہے۔"(5)

افسانہ نگاری میں انتظار حسین نے تحریری رنگ کی بجائے علامتی رجحان اپنایا۔ علامتی افسانے میں انتظار حسین جیسا شاید ہی کوئی لکھ سکے گا۔ مثال کے طور پر انتظار حسین نے اپنی کہانی "آخری آدمی" میں عہد نامہ قدیم کے ماحول کی تصویر کشی کی ہے۔ اس کا مرکزی کردار الیاسف وہ آخری آدمی ہے جو ہر لحاظ سے عقلمند ہے اور پوری کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی طرح انسانیت کے درجے سے نہ گرے۔ اسے اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے وہ جس تکلیف دہ جدوجہد سے گزر رہا ہے اسے افسانہ نگار نے موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ اپنے تمثیلی حوالے میں وہ اس دلچسپ حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ انسان منفی خصلتوں سے بچنے کی کتنی ہی کوشش کرے وہ اپنی فطرت سے نہیں بچ سکتا۔ منفی خصلتیں صرف لالچ اور ہوس تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس میں ہر قسم کی خواہشات شامل ہیں جو اخلاقیات کے دائرے سے باہر ہیں۔ اس میں جنسی بھوک بھی شامل ہے۔ الیاسف ان سب سے بچتا ہے یہاں تک کہ وہ محبت اور نفرت، غصہ اور ہمدردی، ہنسنے اور رونے، ہر حالت سے گزر کر اپنی ذات کے خول میں سکڑ کر غائب ہو جاتا ہے۔ اس میں کچھ جسمانی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور آخر کار یہ بھی بندر کے شکل میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اس افسانے میں انتظار حسین نے جس خوبصورتی کے ساتھ ترقی اور بنیادی انسانی جبلت کو بیان کیا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

انتظار حسین کی اس کہانی میں ایک بندر پہلی بار کسی انسانی بستی میں جاتا ہے اور ترقی دیکھ کر حیران ہوتا ہے اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ہماری ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہماری دم ہے۔ انسان نے اپنی دم کاٹ کر کیسے ترقی کی؟ چنانچہ اس بندر کی بات سن کر پورے گروہ نے اس کی دم کاٹنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ایک بوڑھا بندر کہتا ہے کہ جس استرا سے آپ کل اپنی دم کاٹیں گے وہی ایک دوسرے کے گلے بھی کاٹیں گے۔ انتظار حسین کا یہ غیر معمولی افسانہ ہے جس میں انہوں نے انسانی اخلاقی اقدار کی تباہی، روحانی کشمکش اور اس پر پہاڑی قوتوں کے تسلط کو ایک اچھوتے انداز میں موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ یہ روحانی اور اخلاقی زوال ان کے پہلے افسانوں کا موضوع ہے۔ پہلے انفرادی اور پھر اجتماعی طور پر اس افسانے میں نظر آتا ہے جس میں انہوں نے بنی اسرائیل کے الہامی اسلوب کو متاثر کیا ہے اور پورا افسانہ قرآن کریم اور عہد نامہ قدیم کے اسلوب پر لکھا ہے۔ استعارے اور علامتیں بھی الہامی کتابوں سے لی گئی ہیں۔

انتظار حسین کی تحریروں نے تقسیم ہند اور ہجرت سے پیدا ہونے والے خلاء کو محسوس کیا لیکن اردو ادب کے دوسرے ادیبوں کی طرح ان کی تحریروں میں اجتماعی نرگسیت یا زندگی کا کوئی عنصر نہیں تھا۔ توبہ، ماضی کی یاد، کلاسیک سے محبت، ماضی کا نوحہ ان میں بہت نمایاں ہیں۔ پرانی اقدار کا انحطاط اور نئی اقدار کی سطحی اور جذباتی نوعیت بہت سی جگہوں پر تلخی اور اظہار کا باعث بنتی ہے۔ انتظار حسین ایک ایسے افسانہ نگار ہیں جنہوں نے علامتی اور استعاراتی اسلوب کو بالکل نئے انداز میں استعمال کیا۔ لیکن ان کی تحریروں میں ایک عجیب قسم کی نرمی اور خوبصورتی ہے۔ اس میں وہی دلکشی ہے جو پرانی عمارتوں میں رات کو چاندنی سے ہوتی ہے۔ ان کے افسانوں اور اسلوب کے بارے میں شمیم حنفی لکھتے ہیں:

"ترقی پسندوں نے ایک منظم خطہ سے تعلقات استوار کرنے پر زور دیا۔ ہمارے سامنے وہ مرحلہ ہے جس پر نئے ادیبوں نے اپنی ذہانت اور نئی تکنیک سے افسانے کو زندہ کیا ہے۔ انتظار حسین رجعت پسند ہیں ترقی پسند یا جدید افسانہ نگار ہیں یہ معمہ آج بھی بہت سے لوگوں کے لیے حل طلب ہے۔ ایک چہرے میں اتنے چہرے کہ بار بار دیکھنے سے انتظار حسین کے بہت سے نقاد پریشان ہو گئے۔"(6)

ان کے افسانوں کے اسرار سے پردہ اٹھانے کے لیے ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان افسانوی رجحان کے بارے میں لکھتی ہیں:

"انتظار حسین نے قدیم زمانے کی مختلف افسانوی روایات کو جوڑ کر زندگی کی حقیقتوں کو آریائی اور اسلامی افسانوں کے تناظر میں ایک ہی

وقت میں دیکھا اور ان کا اظہار کیا۔ ان کی تخلیقی صلاحیتیں ان کے افسانوں نے انھیں جدید کہانی کے نئے تجربات کا پیش خیمہ بنا دیا۔ اس سلسلے میں "پیچھے"، "پتے"، "کشتی"، "کچھوے"، "انتظار"، "نئے "بہو" قابل ذکر ہیں۔"(7)

ہجرت کی تمام سختیاں ان کے افسانوں میں ملتی ہیں جس کی مثالیں ان کے ابتدائی مجموعوں ''گلی کوچہ'' اور ''کنکری'' کے افسانوں میں ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ، چوتھے افسانوی مجموعے، "شہر افسوس" کے افسانوں میں ہجرت اور جلاوطنی کے تجربات کے بارے میں زیادہ تر افسانے موجود ہیں۔ انتظار حسین کے مطابق فسادات کی پچھلی نسل کو اس دور کا تجربہ کرنا تھا اور اگلی نسل کے لیے اس دور کا تجربہ ہجرت کا تھا۔ اس حوالے سے ان کا کہنا ہے کہ اسلامی تاریخ میں تجربہ بار بار اپنے آپ کو دہرایا جاتا ہے اور بیرونی اور اندرونی درد کے ایک طویل عمل کے ساتھ تخلیقی تجربہ بن جاتا ہے انتظار حسین اردو افسانے کے قطب مینار ہیں جو پرانی اور خستہ حال تاریخی عمارتوں کے راوی اور ثقافتی آثار کی آخری کہانی بھی ہیں۔ تہذیب و تمدن کے نقصانات کو روشن خطوط میں بیان کرنے کے فن پر انہیں عبور حاصل ہے۔ ان کی تخلیقی نثر اور گفتگو کا لہجہ ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم روایت اور تہذیب کے گہرے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی روایت کو ہمیشہ اپنے دل کے قریب رکھا۔ انہوں نے مشرقی علوم کو مغربی علوم پر ترجیح دی۔ برصغیر کی ثقافتی روایات پر مبنی کتابوں کو ہمیشہ سراہا گیا۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ انتظار حسین کے کام کے بارے میں لکھتے ہیں:

"انتظار حسین کا یہ کارنامہ معمولی نہیں کہ انھوں نے افسانے کی مغربی ہئیت کو تو قبول نہیں کیا بلکہ کتھا کہانی اور داستان و حکایت کے جو مقامی سانچے مشرقی مزاج اور افتاد ذہن کے صدیوں کے عمل کا نتیجہ تھی اور مغربی اثرات کی یورش نے جنھیں نے رد کر دیا تھا انتظار حسین نے اپنی حکمت و دانش کی گرفت میں لیا اور ان کی مدد سے مروجہ سانچوں کی نقل کر کے افسانے کو ایک نئی شکل اور ذائقہ دیا۔"(8)

انتظار حسین نے اپنے آباؤ اجداد کی کہانی سنانے کی صدیوں پرانی روایت کو زندہ کیا اور گنگا جمنی تہذیب کی زبان اردو سے ایک نیا تخلیقی انداز دریافت کیا۔ انہوں نے تقسیم ہند کو دیکھا اور ہجرت کے درد کو محسوس کیا۔ ان کے عہد نے ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے مختلف رنگوں کو اپناتے ہوئے کلاسیکی فضا میں سانس لی۔ انتظار حسین نے اپنے دور کے تمام رنگوں کو اپنے منفرد انداز سے مجسم کر دیا۔ یہ تخلیقی ذہانت ہی تھی جس کی بدولت انھوں نے اردو افسانے کو انگریزی افسانوں سے ممتاز کیا۔ جب انہوں نے کہانیوں میں جان ڈالی تو کہانی متحرک ہوئی اور جب کہانی متحرک ہوئی تو نئی کہانیاں وجود میں آئیں نئے کپڑوں میں نئی کہانیاں نظر آنے لگیں۔ شمیم حنفی ان کی کہانیوں کے بارے میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

"ایک نئے افسانہ نگار نے مجھے برسوں پہلے لکھا تھا کہ ہماری کہانیاں آپ کو اس وقت تک پسند نہیں آئیں گی جب تک کہ برسوں آپ قرۃ العین اور انتظار حسین کے جادو سے باہر نہیں آجاتے۔"(9)

تقسیم اور ہجرت کے ذاتی تجربے نے انتظار حسین کے افسانوں پر اثرات مرتب کیے۔ مشترکہ تہذیب کا مٹ جانا اور کھوئی ہوئی زمینوں، کھوئے ہوئے زمانے اور کھوئے ہوئے لوگوں کی تلاش ان کے افسانوں، ناولوں، تنقیدی تحریروں اور ادبی کالموں کا محور رہا ہے۔ انتظار حسین کے لیے یہ مسئلہ صرف فکری ہی نہیں ہے بلکہ احساس اور اظہار کا بھی معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں کے مضامین میں جہاں کھوئے ہوئے لوگوں کی تلاش ہے، وہیں ایک تہذیبی مفہوم بھی ہے خواہ وہ اسلوب کچھ بھی ہو۔ انتظار حسین نے جب 60ء کی دہائی میں لکھنا شروع کیا تو اردو ادب کے منظر نامے پر ترقی پسند تحریک کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا لیکن وہ اس کا شکار نہ ہوئے۔ چند روایتی افسانے لکھنے کے بعد اس نے ایک نئی راہ تلاش کی۔ "آخری آدمی"، "زرد کتا" اور "شہر افسوس" جیسے شاہکاروں نے نہ صرف اردو کا وقار بڑھایا ہے بلکہ عالمی افسانے میں ایک نیا ذائقہ بھی شامل کیا ہے اور توقع کے مطابق زبان کے تخلیقی امکانات کو تہذیبی زندگی سے جوڑ دیا ہے جس سے انتظار حسین کا مقام بلند اور منفرد ہو جاتا ہے۔

انتظار حسین کے اپنے افسانوں میں قدیم ہندوستانی داستانوں، حکایات اور اساطیر کو افسانوں میں استعمال کیا ہے اور افسانوں میں ان کے استعمال کو معجزہ سمجھا جانا چاہیے کیونکہ انھوں نے افسانے کی قدیم زبانی روایت کو افسانے کی جدیدیت سے ہم آہنگ کیا۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ اس بارے میں لکھتے ہیں:

"افسانے میں ایک نیا فلسفیانہ مزاج اور ایک نئی اساطیری اور داستانی جہت سامنے آئی ہے۔ وہ فرد اور سماج، حیات و کائنات اور وجود کی نوعیت وماہیت کے مسائل کو رومانوی نظر سے نہیں دیکھتے۔ نہ ہی ان کا رویہ محض عقلی ہوتا ہے بلکہ ان کا فن میں شعور ولاشعور دونوں کی کارفرمائی ملتی ہے۔ اور ان کا نقطہ نظر بنیادی طور پر رومانوی اور ذہنی ہے۔ وہ انسان کے باطن میں سفر کرتے ہیں اور خانہ روح میں نقب لگاتے ہیں اور موجودہ دور کی افسردگی، بے دلی اور کشمکش کو تخلیقی لگن کے ساتھ پیش کرتے ہیں،۔ عہد نامہ قدیم واساطیر ودیومالا کی مدد سے ان کو استعاروں، علامتوں اور حکایتوں کے باریک احساس کو سہولت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں ایک سادگی اور تازگی ہے جس کی نظیر اس سے پہلے اردو افسانے میں نہیں ملتی۔"(10)

انتظار حسین اردو ادب کے واحد افسانہ نگار ہیں جنہیں ترقی پسند افسانہ نگاری، جدید افسانہ نگاری، مابعد جدید افسانہ نگاری کا دور دیکھنے کو ملا اس لیے وہ اردو ادب کے واحد افسانہ نگار ہو سکتے ہیں جنھیں ترقی پسند دور سے لے کر موجودہ دور تک کے اردو ادب کو پرکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا ہوگا اور ہر دور میں ان کا اپنا منفرد انداز رہا ہے۔ اردو ادب ہمیشہ انتظار حسین کا منتظر نظر آئے گا کیونکہ انتظار حسین مختصر علالت کے بعد 2 فروری 2016ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ ان کی وفات سے اردو کتاب سخن کا ایک باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ شاید انتظار حسین دوبارہ جنم لے کر اردو ادب کی کتاب سخن کو آباد کریں۔ اب صرف انتظار حسین کا انتظار رہے گا جو کبھی پورا نہیں ہوگا کیونکہ انتظار حسین اس دنیا میں نہیں رہے ہیں لیکن انتظار حسین کی تحریروں کی بدولت یہ دنیا اور فن افسانہ نگاری کی دنیا ہمیشہ روشن رہے گی۔

حوالہ جات

1۔ گوپی چند نارنگ (مرتب)،انتظار حسین کا فن، مشمولہ اردو افسانہ روایت اور مسائل، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2004ء، ص539

2۔ مہدی جعفر، نئے افسانے کا سلسلہ عمل، دی کلچر اکیڈمی، گیا، 1981ء، ص102

3۔ گوپی چند نارنگ (مرتب)،انتظار حسین کا فن، مشمولہ اردو افسانہ روایت اور مسائل، ص536

4۔ ڈاکٹر انوار احمد، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ص576-575

5۔ ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان، اردو افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 1982ء، ص208

6۔ شمیم حنفی، ہم عصروں کے درمیان، دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، 2005ء، ص23

7۔ ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان، اردو افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ، ص221

8۔ گوپی چند نارنگ (مرتب)، اردو افسانہ روایت اور مسائل، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2014ء، ص590

9۔ شمیم حنفی، ہم عصروں کے درمیان، ص38

10۔ گوپی چند نارنگ (مرتب)، اردو افسانہ روایت اور مسائل، ص590